© rasailojaraid.com

فقہ و اجتہاد

اسلام میں غیر جانب داری کا تصور۔ ۱

محمود احمد غازی

اسلام کے بین الاقوامی قانون کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں بعض غیر مسلم مصنفین کی تحریروں سے پیدا ہوئی ہیں۔ مستشرقین کے اس رویے اور فکر سے دنیائے اسلام میں بہت سے لوگ متاثر ہوئے ہیں۔ ان غلط فہمیوں میں سے ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ اسلام جنگ و جدل کا پیغام ہے جس کا مقصد خود بھی مسلسل جنگ و جدل میں مبتلا رہنا اور دنیا کو بھی اس جدال میں مبتلا رکھنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام وہ پہلا پیغام ہے جس نے قوت کے استعمال کو نتیجہ خیز اور موثر طور پر اخلاقی ضابطوں کا پابند بنایا ہے' جس نے ریاستوں کے تعلقات کو ایک ایسے اخلاقی نظام کے ذریعے استوار کیا ہے جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ غلط فہمیوں کے اس سلسلے کا ایک شاخسانہ اسلام کے تصور غیر جانب داری کے بارے میں بعض بے بنیاد تصورات بھی ہیں۔ ان حضرات کی تحریروں میں اسلام کے بارے میں بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اسلام میں پرامن بقائے باہمی کا کوئی بین الاقوامی تصور موجود نہیں ہے اور اسلامی ریاست کسی دوسری غیر مسلم ریاست کے بارے میں پرامن بقائے باہمی کا نہ کوئی واضح تصور رکھتی ہے اور نہ اس کے پاس ایسا کوئی پروگرام موجود ہے' لہٰذا دنیائے اسلام کے تعلقات غیر اسلامی دنیا سے جب اور جہاں بھی ہوں گے وہ سب جنگ و جدل پر ہی مبنی ہوں گے۔ یہ تصور بہت سے مغربی مصنفین نے اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے۔ قدیم مغربی مصنفین کے ہاں بھی اور جدید مغربی مصنفین کے ہاں بھی یہ بات مختلف انداز اور پیرایوں میں دہرائی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مشرقی غیر مسلم اہل علم بھی اس تکرار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مثال کے طور پر مشہور عراقی مسیحی مصنف مجید خدوری نے آج سے تیس سال پہلے اپنی کتاب War and Peace in the Law of Islam میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام میں تعلقات کی بنیاد جنگ ہے اور امن اور صلح ایک عارضی چیز ہے جو دو جنگوں کے درمیانی وقفے سے عبارت ہے۔ مصنف نے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے فقہ اسلامی سے' احادیث سے اور قرآن سے ایسے اقتباسات جمع کیے ہیں جن سے یہ مفہوم نکالا جا سکے اور اس مواد کو اس طرح سے مرتب کر کے پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے یہ بات خود بخود آ جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ واقعی اسلام میں پرامن بقائے باہمی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

جب ہم اسلام کے تصور جنگ اور تصور جہاد کو اپنی کتابوں میں اور اس کے صحیح پس منظر میں دیکھتے ہیں تو یہ دعویٰ واضح طور پر غلط ٹھہرتا ہے۔ فقہائے اسلام نے تصور جنگ اور تصور جہاد پر بحث کرتے ہوئے جو تفصیلی احکام مدون کیے ہیں ان سے غیر جانب داری کا اسلامی تصور نمایاں طور پر سامنے آ جاتا ہے۔ خود عہد نبویؐ اور عہد خلفاے راشدین میں غیر جانب دارانہ تعلقات کے واقعات ملتے ہیں جن کی طرف واضح اشارے قرآن پاک اور سیرت نبویؐ میں موجود ہیں اور جن کے احکام فقہائے اسلام کی بیان کردہ تفصیلات میں موجود ہیں۔

جہاں تک مجرد اس تصور کا تعلق ہے کہ دو متحارب فریقوں کے درمیان ایک تیسرا فریق غیر جانب دار ہو، دونوں کے باہمی محاربے سے اس کا کوئی مثبت یا منفی تعلق نہ ہو، دونوں کے ساتھ اس کے پرامن تعلقات یکساں طور پر پائے جاتے ہوں اور دونوں میں سے کسی ایک کی جنگی اور عسکری طور پر مدد کرنے سے وہ احتراز کرتا ہو، یہ تصور بہت قدیم ہے اور اتنا ہی پرانا ہے جتنی خود جنگوں کی تاریخ پرانی ہے۔ لیکن جہاں تک غیر جانب داری کے اس جدید تصور کا تعلق ہے جو بین الاقوامی قانون میں ایک اصول بلکہ شعبے کی حیثیت سے گذشتہ سو سال سے متعارف ہوا ہے تو یہ تصور خود مغرب میں بھی زیادہ پرانا نہیں ہے۔ مغرب میں اس کی عمر سو یا ڈیڑھ سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ ڈیڑھ سو سال قبل جب مغربی مصنفین نے اس تصور کو قانون کی کتابوں اور دیگر تحریروں میں بیان کرنا شروع کیا تو ان کے ذہنوں میں ایک مبہم سا تصور بھی اس بات کا موجود نہ تھا کہ اس غیر جانب داری کے اصول و قوانین کیا ہوں گے اور کن احکام و قواعد کے تحت غیر جانب دارانہ تعلقات کو منظم و منضبط کیا جائے گا۔ غیر جانب داری کے تفصیلی اصول و قوانین مغرب میں بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ یہ بیسویں صدی کے اوائل کی بات ہے کہ جب مختلف مغربی طاقتوں کی باہمی پیکار اور مسلسل کش مکش سے (جو دراصل استعماری مفادات کی باہمی آویزش کا شاخسانہ تھی) غیر جانب داری پر کاربند رہنے والے ممالک کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے قواعد وضع کرائیں۔ چنانچہ اس غرض کے لیے باقاعدہ قانون اور ضابطہ مرتب کیا گیا۔

۱۹۰۷ میں یعنی آج سے تقریباً ۸۸ سال پہلے یورپ کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ دی ہیگ میں (جہاں آج بین الاقوامی عدالت انصاف کا دفتر ہے) ایک کنونشن منعقد کیا گیا جس میں یورپ کے مختلف ممالک کے قانون دانوں اور نمایندوں نے سر جوڑ کر یورپ کے ممالک کے باہمی محاربانہ تعلقات اور سیاسی کشاکش میں غیر جانب داری کے تصور کو مرتب کیا۔ اس دستاویز کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا تعلق صرف یورپ کے ممالک کے باہمی تعلقات سے ہے۔ دستاویز کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ جب یورپ کے دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملک آپس میں لڑائی کریں یا ان میں آپس میں محاربانہ آویزش ہو اور کوئی تیسرا یا چوتھا ملک غیر جانب دار رہنا چاہے تو وہ کن اصولوں اور قواعد و احکام کے تحت غیر جانب دار رہے، اور اس غیر جانب داری کے اصول و ضوابط کیا ہوں جو ان غیر جانب دار قوتوں کے مفادات و مصالح اور باہمی تعلقات کو منضبط کر سکیں۔ اس دستاویز نے یورپ سے باہر کسی مسلم یا غیر مسلم ملک کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ غیر جانب داری کے اس نئے تصور کے تحت کوئی ایسا حق رکھنے کا دعویٰ کر سکے جو یورپ کے ممالک کو حاصل ہے۔ گویا اس غیر جانب داری کے تحت کسی غیر یورپی حکومت کا نہ کوئی استحقاق تھا نہ مراعات تھیں۔

آج یورپ میں قواعد کے جس مجموعے کو بین الاقوامی قانون کہا جاتا ہے وہ اپنی اصل کے اعتبار سے صرف یورپین قانون ہے۔ وہ ابتدا صرف مغربی ممالک کے تعلقات کو منظم اور منضبط کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس کی مشہور کتابوں اور تعبیرات میں متعدد بار اس بات کا اظہار بھی کیا گیا کہ اس قانون کا تعلق یورپ کی مسیحی مملکتوں کے باہمی تعلقات سے ہے اور اس کا ہدف ان مملکتوں کے تعلقات کو ہی مرتب کرنا ہے۔ اس کا غیر یورپین یا غیر مسیحی ممالک سے کوئی تعلق نہیں۔ کئی سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد ۱۸۵۶ میں پہلی بار ترکی کو اور ۱۹۰۵ میں جاپان کو اس قانون کے تحت مراعات یافتہ مملکت تسلیم کیا گیا۔ یہی کیفیت غیر جانب داری کے تصور کی بھی رہی ہے۔ ۱۹۰۷ میں جب پہلی بار غیر جانب داری کے اصولوں کو قانون کے طور پر مرتب کیا گیا اور اس کے لیے تفصیلی قواعد و ضوابط تیار کیے گئے تو ان قواعد و ضوابط کا انطباق صرف مغربی طاقتوں پر کیا گیا اور کسی غیر یورپی اور غیر مسیحی طاقت بشمول ترکی کو جو یورپ کا ایک حصہ تھا اور ہے اس بات کا مستحق نہیں گردانا گیا کہ وہ غیر جانب داری کے ان قوانین کے تحت مراعات کا مستحق ہو۔

اس کے مقابلے میں قرآن پاک نے ابتدا سے ہی غیر جانب داری کا دائمی اور وسیع الانطباق اصول فراہم کیا۔ اس اصول سے دنیا کا ہر وہ ملک جو پرامن بقائے باہمی پر مبنی تعلقات چاہتا ہو اور متحاربین کے درمیان برابری اور مساوات کی بنا پر اپنی غیر جانب دارانہ حیثیت اور پوزیشن کو قائم رکھنا چاہتا ہو، یکساں طور پر متمتع ہو سکتا ہے۔ وہ عدل و انصاف کی بنیاد پر مسلمانوں سے معاملہ کر سکتا ہے۔ اس کے تعلقات پرامن بقائے باہمی کی بنیاد پر کسی بھی مسلم اسٹیٹ سے قائم ہو سکتے ہیں جس کی ماضی میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ اس اصول غیر جانب داری کی تفصیلات میں، جو فقہائے کرام نے ترتیب دی ہیں، محض جغرافیائی، نسلی یا مذہبی بنیادوں پر کسی تفریق کو کہیں بھی روا نہیں رکھا گیا۔ نہ اس میں علاقے یا زبان کی تفریق کو بنیاد بنایا گیا۔

۱۹۰۷ میں دی ہیگ میں جو قانون غیر جانب داری مرتب کیا گیا، اس میں جو قوانین وضع کیے گئے دو بنیادوں پر قائم تھے، اور آج بھی مغرب میں غیر جانب داری کا سارا تصور انھی دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ایک بنیاد تو یہ ہے کہ جو ریاست غیر جانب داری کا دعویٰ کرتی ہے وہ اپنی حاکمیت کے تحفظ کا پورا پورا حق رکھتی ہے اور غیر جانب داری کے یہ معنی نہیں لیے جائیں گے کہ اس کی حاکمیت کو نظرانداز کر دیا جائے۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ جو دو متحارب قوتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں ان کے باہمی حربی معاملات سے یہ غیر جانب دار ریاست مکمل طور پر علیحدہ اور لاتعلق رہے گی۔ دونوں میں سے کوئی فریق اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ وہ ان میں سے کسی ایک فریق کی مدد کرے یا اس کو ایسی سہولتیں فراہم کرے جس کا فائدہ اس کو یا اس کا نقصان دوسرے فریق کو پہنچ سکتا ہو۔ یہ وہ دو بنیادیں تھیں جن پر مغرب میں غیر جانب داری کا تصور استوار کیا گیا۔ ان میں سرے سے عدل و انصاف کے تقاضوں کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ دونوں متحارب ریاستوں میں کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ یہ طے کرنا یا اس بحث میں پڑنا غیر جانب دار ریاست کا دردِ سر نہیں۔ حالانکہ یہ بلاواسطہ ظالم کی مدد کرنے کے مترادف ہے؛ جس کے دردناک مناظر آج مسلمان بوسنیا اور چیچنیا میں شب و روز دیکھ رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں (جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے) قرآن پاک میں جو ہدایات دی گئیں ان میں غیر جانب دار فریقوں کے ساتھ نہ صرف پرامن بقائے باہمی کا اصول دیا گیا بلکہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کے عالمگیر ابدی اصول کے مطابق اقدامات کرنے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے کام کرنے کی ہدایات بھی دی گئیں۔ مزید برآں قرآن پاک کی مشہور اور عام اصطلاح "بر" کے اصول کے مطابق ان سے معاملہ کرنے کی ترغیب بھی دی گئی۔

آج کل غیر جانب داری کے تصور کو ماہرین قانون نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ پہلی بار انھوں نے ہی دنیا کو اس تقسیم سے متعارف کرایا ہے۔ ایک 'مکمل غیر جانب داری اور دوسرے' شبہ غیر جانب داری یا نیم غیر جانب داری (quasi - neutrality) جس میں متعلقہ ریاست مکمل طور پر غیر جانب دار نہیں ہوتی؛ لیکن اس حد تک وہ ضرور غیر جانب دار رہتی ہے کہ وہ کسی ایک فریق کو حربی مدد فراہم نہ کرے۔ اس میں ہر قسم کی حربی مدد شامل ہے چاہے وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ؛ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ کسی فریق کی فوج کو گزرگاہ بھی فراہم نہ کرے۔ لیکن اس کے علاوہ دوسری نوعیت کی مدد اور تعاون وہ فراہم کر سکتی ہے؛ چاہے وہ مدد آگے چل کر حربی اقدامات میں مدد دے۔

جب ہم اسلام کے تصور غیر جانب داری کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہیے جو بہت سے مغربی مصنفین نے جان بوجھ کر پیدا کی ہے اور آج بھی پیدا کی جا رہی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اسلام میں کثیر العناصر معاشرے کا کوئی تصور موجود نہیں ہے یعنی اسلام کسی Pluralistic Society کا تصور اپنے اندر نہیں رکھتا۔ بلکہ ان حضرات کے خیال میں اسلام اپنے فکر و عمل اور تاریخی تجربے کے اعتبار سے ایک خاص یک عنصری معاشرہ (Monolithic Society) رکھتا ہے جس میں صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک قوم اور ایک امت پائی جاتی ہے' اور دوسرے تمام لوگ اس کے ماتحت ہوتے ہیں جنھیں کوئی آزاد اور خود مختار حیثیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کے بارے میں یہ تاثر خاصا منفی اور بہت حد تک غلط فہمی (دانستہ یا نادانستہ) پر مبنی ہے۔ اس سوال کا کہ کیا اسلام کے نظام میں کسی کثیر العناصر معاشرے کی گنجایش ہے' دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

ایک پہلو تو یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب و نظریات کے ماننے والوں کو کس حد تک حقوق و مراعات حاصل ہیں۔ اسلام کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام نے اہل ذمہ اور دوسرے غیر مسلم افراد کو اپنے معاشرے میں کیا کیا مراعات دی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے ساتھ جو معاہدے کیے ان میں غیر مسلموں کو کیا کیا حقوق دیے گئے اور کیا کیا مراعات دی گئیں؟ پھر آپؐ نے ان حقوق و مراعات کا کیسے تحفظ فرمایا اور ان کو ان حقوق کے تحفظ کے لیے کیا کیا ضمانتیں دیں۔ پھر فقہاے اسلام نے کس طرح ان کے مذہبی اور دیگر حقوق کی تفصیلات مدون کیں اور ائمہ اسلام نے کس طرح حکمرانوں کے خلاف کھڑے ہو کر ان حقوق کو منوایا۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی حدود سے باہر بین الاقوامی سطح پر اسلامی ریاست دوسری ایسی ریاستوں کا وجود کھلے دل سے تسلیم کرتی ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی پیروکار ہوں' جن کا نظام قانون اور دستور' اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب یا تصور پر مبنی ہو اور ان کے ساتھ اسلامی ریاست کا تعلق ایک پرامن اور مسلسل بقاے باہمی کا ہو۔

اس سوال پر جب ہم قرآن پاک کی روشنی میں غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ قرآن پاک نے ایک عمومی اور اصولی ہدایت مسلمانوں کو دی ہے' اور وہ ہدایت یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر جن قوموں سے تعلقات قائم کیے جائیں وہ شہری ریاستیں ہوں' قبائل ہوں' یا آج کل کے دور کی بڑی بڑی ریاستیں ہوں یا آیندہ آنے والی اس سے مختلف انداز کی ریاستیں ہوں' ان سب کے درمیان تعلقات کو اس اصول کی بنا پر قائم کیا جائے گا جو سورہ ممتحنہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ دوستانہ بین الاقوامی اور بین المملکتی تعلقات کے نقطہ نظر سے غیر مسلموں کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: مخالفین اور غیر مخالفین۔ یہاں مخالفین سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو اللہ کے راستے پر چلنے سے روکا ہو' انھوں نے مسلمانوں کو ان کے گھربار سے نکالا ہو' مسلمانوں پر جنگیں مسلط کی ہوں' ان کے جان و مال کو تباہ و برباد کر دیا ہو' ان کی عزتیں لوٹی ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسے کھلے دشمنان انسانیت سے دوستی اور پرامن بقاے باہمی کی بات کرنا منافقت اور بے غیرتی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ آج کے سیاق و سباق میں بوسنیا کے سربوں اور برما کے بدھوں کی مثال اس ضمن میں دی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا گروہ غیر مخالفین کا ہے۔ اس سے مراد غیر مسلموں کا وہ گروہ ہے جنھوں نے مسلمانوں کو گھروں سے نکالا' نہ مسلمانوں کو پریشان کیا نہ ان کے دین کے سلسلے میں رخنہ ڈالا اور نہ مسلمانوں سے اس انداز کی دشمنیاں کیں جیسی آج دنیا کے بعض حصوں میں مسلمانوں کے ساتھ کی جا رہی ہیں۔ یہ دوسرا گروہ ہے جس کے بارے میں قرآن پاک کی واضح ہدایات یہ ہیں: جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تمھیں پریشان نہیں کیا اور تم سے مقاتلہ و مقابلہ نہیں کیا' تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا' اللہ تعالیٰ تم کو اس سے نہیں روکتا کہ تم ان سے بر کا معاملہ رکھو' یعنی نیکی کرو اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ معاملہ کرو۔ ان کے ساتھ جو بہتر سے بہتر معاملہ کرنا چاہو' وہ کرو۔

بر قرآن پاک کی ایک جامع اور معروف اصطلاح ہے جس میں معاشرتی بھلائیوں کا ایک ایسا جامع نقشہ دیا گیا ہے' جس میں رفاہی معاشرے کے سارے پہلو شامل ہیں۔ سورہ بقرہ میں ایک جگہ اس بر کے بہت سے پہلو ذکر کیے گئے ہیں۔ اس آیت سے صاف پتا چلتا ہے کہ معاشرتی سطح پر انسانوں کی فلاح و بہبود کے تمام اقدامات بر میں شامل ہیں۔

ایک بنیادی اصول تو قرآن پاک نے یہ بیان کیا' لیکن اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس اصول کی عملی تفسیر مشکل اور تطبیق ناقابل عمل ہے اس لیے کہ مذکورہ بالا شرائط پر پوری اترنے والی غیر مسلم ریاستیں کم ہوں گی۔ لیکن ایسا سمجھنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ علاوہ نظری پہلو کے عملاً بھی تاریخ اسلام میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ صدر اسلام میں مسلمانوں کے جن لوگوں سے تعلقات رہے اور جن اقوام سے لین دین ہوا' ان میں سے متعدد اقوام اور ممالک ایسے تھے جن سے اس نوعیت کے تعلقات قائم ہوئے۔ تاہم اگر بالفرض کوئی ایسی قوم نہ بھی ہو اور مسلمانوں کے تعلقات اس ضمن میں دیگر اقوام سے محاربہ ہی کے رہے ہوں تو وہاں بھی یہ اصول صاف طور پر کار فرما دیکھا جا سکتا ہے' جیسا کہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ' مکہ کے قریشیوں کے ساتھ اور آزری ایرانیوں اور مصر کے قبطیوں کے ساتھ ہوتا رہا۔ علیٰ ہذا القیاس دوسری بہت سی اقوام سے آغاز میں یہی کوشش کی گئی کہ تعلقات کی نوعیت عدم محاربہ اور عدم مداخلت پر مبنی ہو' اسلامی دعوت کی نشرواشاعت میں رکاوٹ نہ ہو اور وہ کسی جنگی معاملے میں مسلمانوں کے کھلے دشمن کا ساتھ نہ دیں۔ قرب و جوار کے درجنوں قبائل سے (جو اس زمانے کے لحاظ سے شہری ریاستوں کی حیثیت کے حامل تھے) انھی خطوط پر معاہدے کیے گئے۔

جن قوموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات محاربے کے رہے ان سے بھی ایک مرحلہ ایسا پیش آ سکتا ہے کہ محاربہ کرنے والے محاربے سے الگ ہو جائیں اور واقعی ایک ایسا تعلق قائم ہو جائے جس کو پرامن تعلقات کے دور کی ابتدا کہا جا سکے۔ اس صورت میں معاہدوں کے ذریعے غیر جانب داری کی صورت پیدا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جا سکتی ہے۔ قرآن پاک نے اس کے لیے اعتزال کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی الگ ہو جانے کے ہیں، فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ۔ (النساء ۴:۹۰) یعنی اگر لڑنے والے الگ ہو جائیں (اعتزال کے معنی ہیں دو متحارب فریقوں کے بارے میں کسی تیسرے فریق کا الگ رہنا) اگر وہ تمھاری اور تمھارے دشمنوں کے درمیان ہونے والی کش مکش سے الگ ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمھارے ساتھ مسالمہ (باہمی امن و سلامتی) کے تعلقات رکھیں تو اللہ نے تمھیں ان کے خلاف جنگ کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ اس سلسلے کی دوسری آیت اسی سلسلہ بیان میں یہ ہے کہ اگر وہ تمھارے اور تمھارے دشمنوں کے باہمی محاربے سے الگ نہ ہوں اور تمھارے ساتھ سلامتی کے تعلقات قائم کرنے کی پیش کش نہ کریں اور لڑائی سے ہاتھ نہ کھینچیں تو پھر ان سے جنگ کرو اور جیسے اور جہاں موقع ملے ان کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔ ان لوگوں کے خلاف لڑنے کے لیے تم کو کھلی اجازت (سلطانا مبینا) حاصل ہے۔ سلطان مبین کے معنی مترجمین قرآن نے کھلی سند، صریح اجازت، صاف گرفت، صاف حجت وغیرہ کے کیے ہیں جس سے یہی پتا چلتا ہے کہ اس صورت میں ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کی کھلی اور مکمل اجازت ہے۔

اس پورے سلسلہ بیان میں اعتزال کا لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ متحارب فریقین کے درمیان غیر جانب داری کے مفہوم میں آیا ہے۔ اس کی بنیاد پر یہ اصول بن گیا کہ اگر کوئی ریاست مسلمانوں کے بارے میں غیر جانب دار رہنا چاہتی ہو، یعنی مسلمانوں کے اور غیر مسلموں کے محاربے میں الگ رہنا چاہتی ہو تو وہ ان تین شرائط کے ساتھ رہ سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ نہ کرے، مسلمانوں کے دشمنوں سے الگ رہے اور مسلمانوں کے ساتھ پرامن تعلقات رکھے۔ ایک چوتھی شرط جو خود بخود مقدر (understood) ہے جس کے بارے میں دوسری نصوص میں واضح ہدایات ہیں وہ یہ کہ اس انتظام سے اسلام اور کلمۃ اللہ کی سربلندی پر زد نہ پڑے اور اسلام اور مسلمانوں کے وقار پر حرف نہ آئے۔ اگر یہ شرائط پوری ہوں تو پھر ان چیزوں کی پابندی ملحوظ رہے گی۔

یہ وہ دو بنیادی آیات ہیں جن سے فقہاے کرام نے غیر جانب داری کے اصول کی بابت استدلال کیا ہے۔ ان آیات کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے متعدد واقعات اور آپ کے کیے ہوئے کئی معاہدے ایسے ہیں جن سے بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانب داری کی مزید تفصیلات ملتی ہیں اور جن کو انھی احکام و نظائر کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فقہاے کرام نے بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں غیر جانب داری کے دیگر احکام مرتب کیے ہیں۔ قدیم فقہاے اسلام میں سے جن حضرات نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے اور جو اصول وضع کیے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ اسلامی ریاست غیر جانب داری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باب میں کن کن اعتبارات (considerations) کو پیش نظر رکھے گی اور کن کن اصولوں پر کاربند ہوگی۔ اس سلسلے میں جب اعتزال کا لفظ احادیث میں تلاش کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ احادیث میں بھی یہ لفظ انھی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی دو متحارب فریقوں کے مابین کسی تیسرے فریق کی پوزیشن اور اس کے تعلقات کی نوعیت ایسی ہونا کہ اس کو متحاربین کے آپس کے جھگڑے سے کوئی سروکار نہیں۔ سنن ابوداؤد میں ابواب الفتن والملاحم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس مضمون کی بہت سی احادیث ہیں کہ مسلمانوں میں فتنے اور اختلافات ہوں گے اور امت کو بے شمار فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ فتنوں کے اس دور میں آپ نے ان لوگوں کے طرز عمل کو پسندیدگی کی سند عطا فرمائی جو مسلمانوں کے آپس کے ان محاربوں سے الگ رہیں گے اور دونوں میں سے کسی ایک فریق کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ بھی اسی غیر جانب داری کی ایک قسم ہے جس کے لیے قرآن مجید میں اعتزال کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ یہاں مذہبی اور سیاسی نوعیت کے جو اندرونی اختلافات ہوں، انھیں بھی اعتزال یعنی غیر جانب داری قرار دیا گیا اور اس کو ایک مثبت اور قابل قبول رویے کے طور پر ذکر کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد کبار صحابہ مثلاً حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے اس طرح کے اختلافات اور فتنوں کے دور میں غیر جانب داری کا رویہ اختیار کیا۔

تاہم اس سے پہلے ایک اور مثال غیر جانب داری کی ملتی ہے جو ہماری اس گفتگو کے سیاق و سباق میں ان مثالوں سے زیادہ اہم معلوم ہوتی ہے۔ یہ گویا ایک مسلم ایڈمنسٹریشن کی غیر جانب داری کی مثال ہے۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہمارے سامنے ہے کہ جب وہاں طویل گفت و شنید کے بعد معاہدہ لکھا جا چکا تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ کوئی مسلمان جو مکہ سے مدینہ چلا جائے گا، اس کو مدینہ سے واپس کر دیا جائے گا اور اگر کوئی شخص مدینہ سے مکہ واپس آئے گا تو اسے قریش مکہ واپس نہ کریں گے۔ چنانچہ اس شرط کے مطابق مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے کے خواہش مند دو نوجوان صحابیوں ابوجندل اور ابوبصیر کو رسولؐ اللہ نے ساتھ لے جانے سے معذرت کر دی۔ اس معاہدے کی رو سے انھیں حکم دیا کہ مکہ واپس چلے جائیں۔ اگرچہ بعض صحابہ کرامؓ کو ان حضرات کا یوں بے سہارا چھوڑا جانا خاصا گراں محسوس ہوا تھا۔ پھر جب رسولؐ اللہ اس معاہدے کے بعد واپس مدینہ تشریف لائے تو ابوبصیر بھی کفار مکہ سے بھاگ کر مدینہ آ گئے۔ پیچھے کچھ لوگ مکہ سے ان کو لینے آ گئے۔ حضورؐ نے حسب معاہدہ یہاں سے بھی انھیں واپس کر دیا۔ لیکن ابوبصیر نے مکہ واپسی کے دوران دونوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا فرار ہو گیا۔ اب ابوبصیر نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ سے جو شخص بھی مسلمان ہو کر فرار ہوتا، وہ ابوبصیر کے ہاں آ جاتا۔ اس طرح کافی افراد اکٹھے ہو گئے، اب انھوں نے قریش مکہ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ ان کارروائیوں کا رسولؐ اللہ کو علم ہوتا رہا لیکن آپؐ نے ان میں کوئی مداخلت نہ فرمائی۔ یہ تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہنا مشکل ہے کہ ابوبصیر کا یہ گروہ اور ان کا یہ علاقہ کوئی چھوٹی سی ریاست تھی، ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ کوئی خود مختار علاقہ تھا لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ آزاد اور خود مختار گروہ تھا جو بہرحال مدینہ کی ریاست کا شہری نہیں تھا۔ مکہ کی شہریت کو یہ لوگ ترک (repudiate) کر چکے تھے۔ فقہا کی اصطلاح میں ان کو منعہ یعنی ایک قابل ذکر سیاسی تائید اور عسکری قوت حاصل تھی جو ان کی اپنی قوت تھی اور وہ اس قوت کی بنا پر اپنا دفاع خود کر سکتے تھے۔ انھوں نے کفار مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کر دی لیکن مدینہ منورہ سے مسلمانوں نے انھیں کوئی مدد نہیں دی۔ اس طرح دونوں کے محاربے میں مدینہ کی اسلامی اسٹیٹ غیر جانب دار رہی۔

ان تمام مثالوں اور نصوص سے یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ غیر جانب داری کا ایک تصور اسلام میں موجود ہے جس کو بنیاد بنا کر دور جدید کے نئے مسائل و معاملات کے لیے تفصیلی احکام مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر مسلم اقلیتوں اور گروہوں کے معاملے میں ان مثالوں اور بالخصوص ابوبصیر کی مثال سے بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ رسول اللہؐ کا یہ طرز عمل قرآن پاک کے اس اصول کے عین مطابق تھا: قوم بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ (النساء ۴:۹۰)، (یعنی تم ایسی کسی قوم کے خلاف مسلم اقلیت کی مدد نہیں کر سکتے جس سے تمھارا معاہدہ موجود ہو)۔ اس واقعے سے یہ بھی پتا چلا کہ اگر کسی معاہد غیر مسلم ملک میں کوئی مسلم تنظیم اپنی آزادی کی مسلح جدوجہد کرے تو پڑوس کی اسلامی اسٹیٹ غیر جانب دار رہے گی۔ (جاری)

دعوتی کام کرنے والے کارکنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

مولانا محمد یوسف اصلاحی

شعورِ حیات

مؤثر اندازِ تحریر ——— تربیت اور تزکیے کے لیے انتہائی مفید

نئے خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ ● کمپیوٹرائزڈ کتابت

جلد اوّل :/39 روپے جلد دوم :/39 روپے

البدر پبلی کیشنز، 23 - راحت مارکیٹ، اردو بازار لاہور 54000

© rasailojaraid.com